اچانک اٹھ جانا کس قدر باعثِ تکلیف ہوتا ہے۔ رمضان شریف و عید کی تعطیل کے بعد جب علی گڑھ آیا تو شام کو حسبِ معمول مولانا کے یہاں گیا۔ قاضی زین العابدین صاحب جو مولانا کے سمدھی بھی ہیں، بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا نے مجھے لپٹا لیا دیر تک لپٹائے رہے، مجھے خیال ہوا کہ شاید بہت دن کے بعد ملا ہوں اس لئے اس قدر شفقت ہے، اس کے بعد میں نے مزاج پوچھا تو نہ پوچھئے کس قدر کرب اور درد بھرے لہجے میں اپنے بیٹے عمر سعید مرحوم کی جُدائی کا واقعہ سُنایا کہ میرا دل بھی رو اٹھا۔ ایسا لگا کہ مولانا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں ع

بے نالہ منھ سے گرتے ہیں بے گریہ آنکھ سے　　اجزائے دل کا حال نہ پوچھو اضطراب میں

جی میں آیا کہ مولانا سے وہی شعر عرض کر دوں جو تقریباً دو سال قبل انھوں نے میری ہمشیرہ مرحومہ[1] کے سانحہ پر مجھے صبر کی تلقین کرتے ہوئے پڑھا تھا۔

صبر کرتے ہی بنے گی غالبؔ　　حادثہ سخت ہے اور جان عزیز

نہ معلوم کیوں مجھے ایسا لگا کہ شاید مولانا اس حادثہ کو برداشت نہ کر پائیں۔

چند ہی روز بعد وہ حسبِ معمول علی الصباح چہل قدمی کو جا رہے تھے کہ ایک کتے نے پاؤں میں کاٹ لیا، ابھی اس سے ٹھیک بھی نہ ہو پائے تھے کہ ملیریا کا حملہ ہوا، کونین کے زیادہ استعمال سے اُن کا جگر متاثر ہوا جس کی وجہ سے پیلیا ہو گیا بعد میں ڈاکٹروں نے کینسر ظاہر کر دیا۔

مولانا ملیریا کے دوران گھر پر ہی مقیم تھے، مجھے اُن ہی دنوں ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے گھر جانا پڑا۔ ۱۵ دسمبر کو ایک ضرورت سے لکھنؤ سے دہلی جا رہا تھا۔ علی گڑھ پہنچ کر نہ معلوم کیوں مولانا کا اس شدت سے خیال آیا کہ اتر پڑا اسٹیشن سے مولانا کے گھر آیا۔

---

[1] اہلیہ ڈاکٹر سید مقبول احمد صاحب، صدر شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی۔

پتہ چلا کہ اسپتال میں داخل ہیں، دل دھک سے ہو گیا میڈیکل کالج پہنچا۔ دیکھتے ہی چہرے پہ بشاشت آگئی، لیٹا لیا، میں نے مزاج پوچھا کہا تم اپنی خیریت بتاؤ، میں تمہاری وجہ سے بہت متفکر تھا (مجھے ان دنوں مائگرین، دردِ سر کی شکایت تھی) ڈاکٹروں نے اگرچہ زیادہ گفتگو سے منع کیا تھا۔ مگر اپنی عادت و فطرت کے مطابق گفتگو برابر کرتے رہے مجھ کو کے دو ایک شعر بھی سنائے جو افسوس کہ یاد نہ رکھ سکا۔ ایک بجے کے قریب اٹھنے کا ارادہ کیا تو کہا۔ دہلی کی گاڑیاں تو شام کو بھی جاتی ہیں میں یہ سوچ کر کہ مرضی نہیں ہے کہ اٹھوں خود میرا دل بھی نہ چاہتا تھا بیٹھ گیا۔ سہ پہر کے قریب با دل ناخواستہ رخصت ہوا چلتے وقت وعدہ کیا کہ میں تمہیں اپنی خیریت کے خط لکھوا دیا کروں گا۔ افسوس کیا پتہ تھا کہ بس اب یہ آخری ملاقات ہوگی اور اب پھر کبھی اس شفیق و ہمدرد اور محنت کرنے والے انسان کی باتیں تو درکنار دیدار بھی نہ کر سکوں گا۔ ان چند گھنٹوں میں نہ معلوم کیا کیا باتیں کی تھیں۔ دہلی سے واپس وطن آیا، مولانا کے قیام علی گڈھ تک برابر خیریت معلوم ہوتی رہی پھر ایک روز خط آیا کہ مولانا ۱۸ر جنوری کو بغرض علاج پاکستان چلے گئے۔ دل میں نہ معلوم کیسے کیسے وسوسے پیدا ہوئے کہ اب وہ شاید مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے مگر اس صحت کے بعد علی گڈھ نہیں بلکہ مبدأ اصلی کی طرف چل دینگے۔ اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ ۲۴ر مئی کی شام چھ بجکر ۵ منٹ پر مولانا نے اپنے ناسوتی عزیز و اقارب کی رفاقت پر رفیق اعلیٰ کی رفاقت کو ترجیح دے ہی دی اور اس طرح ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

مولانا مرحوم کی وفات سے عزیز و اقارب، اہلِ خاندان، متعلقین و مخلصین ہی کو نہیں ان لوگوں کو بھی سخت صدمہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہوا جو مولانا مرحوم کی وسیع النظری، ان کے برملا اظہارِ حق، بے باکی، حق گوئی اور عبقریت کی بنا پر ان سے کسی قسم کا اختلاف رکھتے تھے۔ مولانا کی وفات سے ایک دور، ایک عہد، ایک باب کا خاتمہ ہو گیا۔ آسمان رنگ بدلتا رہیگا قیامت تک ہزاروں لوگ پیدا ہوا کرتے رہینگے لیکن مولانا مرحوم کی ایسی جامع شخصیت کا نعم البدل تو کیا بدل بھی ہرگز پیدا نہ ہو سکیگا۔ افسوس ع اب کہاں لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

علامہ مقریزی اور اُن کی کتاب المقفی الکبیر

غلام یحییٰ انجم
شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

مصر عرصۂ دراز سے علوم وفنون کا مرکز رہا ہے۔ بڑی بڑی سیاسی تحریکوں کے یہاں پیدا ہونے کے علاوہ مقتدر ومشاہیر علمانے بھی اس علاقہ کو علمی اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر تہذیب وثقافت علم وہنر صنعت وحرفت کو عروج بخشا اور علم وفضل میں مصر کو پوری دنیا کے لئے نمونہ بنا دیا۔ یہ اسی وقت کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے کہ اس وقت بھی اطرافِ عالم میں سرزمینِ مصر سے جو علم وفضل کی کرن پھوٹی تھی، اس کی تابانی اب بھی محسوس کی جا رہی ہے۔

یہ حسنِ اتفاق تھا کہ دنیائے عرب وعجم کو چھوڑ کر مصر میں ایسے جلیل القدر علما وفضلا پیدا ہوئے کہ پوری دنیا کے لوگ تعلیمی اور ثقافتی امور میں اس کے دست نگر ہو گئے۔ اس کی بدولت دمشق، قرطبہ اور بغداد میں علم پروری اور ادب نوازی کا ڈنکا بجنے لگا۔ علما اور فضلا کی ریل پیل نے ان ممالک کو اپنی ادب نوازی سے شہرت دوام کا حامل بنا دیا اور کچھ دنوں تک تمام ممالک کے مرکوز نظر رہے مگر چونکہ زمانے کی دست برد سے شاید ہی کوئی ملک محفوظ رہ سکا ہو، اس لئے یہ ترقی یافتہ

ممالک بھی اس کی زد میں آگئے، رفتہ رفتہ حوادث زمانہ نے ان کو بھی اس طرح مٹایا کہ آثار کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہ سکا مگر ایسے نازک دور میں بھی مصر اپنے آب وتاب کے ساتھ باقی رہا اور ہمت و استقلال کے ساتھ علم وادب کی ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کو بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں سے بچا کر ساحل نیل پر لاکھڑا کر دیا اور عربی علوم وفنون کو اپنے دامن میں لے کر وہ کام انجام دیا کہ جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی ایسے ایسے شہرۂ آفاق مفکر، مفسر، محدث، مورخ، شاعر، خطیب، طبیب، جغرافیہ داں اور ماہرین علوم وفنون پیدا ہوئے جنھوں نے پوری دنیائے علم وادب سے اپنی صلاحیت ریاست اور مرکزیت کا اعتراف کرالیا۔

مصر میں ہر صدی میں ایسے علماء رہے جن کی علمی زعامت مسلّم رہی مگر خاص طور سے نویں صدی ہجری کا زمانہ ہر اعتبار سے قابلِ ذکر رہا ہے اس زمانے میں ایسے ایسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جو بیک وقت کئی علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے علامہ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) ہوں یا علامہ بدرالدین العینی (متوفی ۸۵۵ھ) حافظ شمس الدین السخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) ہوں یا حافظ جلال الدین السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) ابن تغری بردی (متوفی ۸۷۴ھ) ہوں یا ابن عربشاہ (متوفی ....۸ھ) یہ سب اسی زمانے کی پیداوار ہیں ایسے ہی چند سے آفتاب چند ماہتاب شخصیتوں کے درمیان عبقری رہنا اور مرکزی خلائق بنا ہوئے شیر لانے سے کم نہ تھا مگر چند شخصیتیں ایسی پیدا ہوئیں جنھوں نے علم وفضل میں وہ نام پیدا کیا کہ ان کا شمار صفِ اوّل کے ممتاز علماء میں ہونے لگا ایسی ہی جلیل القدر شخصیتوں میں صاحب کتاب المقفی الکبیر تقی الدین المقریزی کا شمار ہوتا ہے تمام علماء وفضلاء کی جھرمٹ میں مقریزی آفتاب کی حیثیت رکھتے تھے اور تمام تصانیف بطور خاص کتب تواریخ میں ان کی تصانیف مصدر و مرجع کی حقیقت رکھتی تھیں ان کا لقبی نام تو تقی الدین تھا مگر دنیائے علم وادب میں انھوں نے مقریزی کے نام سے شہرت حاصل کی سلسلہ نسب اس طرح ہے:۔

۔مئی ۱۹۸۷ء

سلسلۂ نسب:۔ احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد بن ابراہیم بن تمیم بن عبدالصمد بن ابی الحسن بن عبدالصمد بن تمیم ابو العباس بن العلا بن المحیوی الحسینی العبیدی البعلی المصری القاہری(۱)۔

تقی الدین کو شہرت مقریزی سے حاصل تھی مگر کچھ مورخین جن میں حافظ سخاوی اور امام شوکانی وہ لکھتے ہیں کہ وہ "ابن المقریزی" کے نام سے مشہور تھے لیکن اکثر مصادر میں یہی پایا جاتا ہے کہ وہ مقریزی سے مشہور رہے جس کی تائید خود مقریزی نے اپنی کتاب "السلوک" کے مقدمہ میں کی ہے۔ مقریزی کا خاندان "بعلبک" سے جو لبنان کا ایک شہر ہے، منتقل ہو کر قاہرہ چلا آیا تھا مقریزی وہیں "برجوان" نامی محلہ میں ۷۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔

تاریخ ولادت کے بارے میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں، امام سیوطی نے سال ولادت ۷۶۹ھ حافظ ابن حجر نے ۷۶۶ھ اور ابن تغری بردی اور حافظ شمس الدین سخاوی نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۷۶۰ھ کے بعد ہوئی۔

تعلیم و تربیت:۔ مقریزی نے جس سرزمین پر آنکھ کھولی وہ دنیا کے عظیم ترین مراکز میں شمار ہوتا تھا جہاں فقہاء، علماء، ادباء اور مورخین کی ایک بڑی جماعت علوم وفنون کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل تھی، اطراف عالم سے تشنگان علم وہاں آ کر اپنی پیاس دور کرتے تھے، مقریزی کو وہاں علوم دین کے تحصیل کرنے کے بہترین مواقع فراہم ہوئے اور کمسنی ہی سے تحصیل علم میں لگ گئے کیسے معلوم تھا کہ یہ ذرہ ایک دن آفتاب بنکر چمکے گا، رسم ورواج کے مطابق پہلے قرآن کریم حفظ کیا، لغت کے مبادیات کو ازبر کیا، فقہ واصول میں کمال پیدا کیا ادب ونحو وصرف میں ید طولیٰ حاصل کیا، ماہرین قرأت وتجوید کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا، الغرض شاید ہی کوئی علم جو اس زمانے میں رائج رہا ہو اور مقریزی کو اس میں شد بد نہ رہی ہو، اپنے جد امجد سے حدیث کی سماعت کی بعض حنفی کتابوں کو بھی حفظ کیا، تحصیل علم

---

(۱) السخاوی الضوء اللامع (۲: ۲۱) مطبعة القدسی القاهرة ۱۳۵۳/۱۳۵۵ھ

کے لئے سفر بھی کئے اور بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں یہ انھیں تمام کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مقریزی متعدد علوم و فنون میں امام ہو گئے۔

مقریزی کی شخصیت کی تعمیر میں ایسے تو بیشتر نام آتے ہیں مگر حافظ سخاوی کے قول کے مطابق جن لوگوں سے انھوں نے اکتساب فیض کیا ہے ان کی تعداد چھ سو تک پہنچتی ہے یہاں ان کے اُن چند اساتذہ کا نام ذکر کیا جارہا ہے جن سے انھوں نے اکتساب فیض کیا۔

(۱) الشیخ ابو اسحاق برھان الدین ابراہیم بن احمد بن عبد الواحد الشامی (متوفی ۸۰۰ھ)

(۲) الشیخ ابو حفص عمر بن رسلان سراج الدین البلقینی (متوفی ۸۰۵ھ)

(۳) ابو الحسن علی بن بکر نور الدین الھیثمی (متوفی ۸۰۷ھ)

(۴) الشیخ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم الدمشقی الآمدی (متوفی ۷۹۷ھ)

(۵) الشیخ حافظ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی (متوفی ۸۰۶ھ)

(۶) الشیخ ناصر الدین محمد بن علی الحراوی المعروف بالطبرزد (متوفی ۷۸۱ھ)

(۷) الشیخ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن الشحنۃ (متوفی ۷۹۹ھ)

(۸) القاضی شمس الدین محمد بن علی بن الختاب (متوفی ۷۸۹ھ)

(۹) المعز بن الکویک الرابعی الشافعی (متوفی ۷۹۰ھ)

مقریزی نے تحصیل علم کے لئے سفر بھی کیا، دوران سفر جن علماء سے انھوں نے تحصیل علم کی اُن کے نام یہ ہیں :-

مکہ میں علامہ ابن السکری (متوفی ۸۰۱ھ) اور موفق الدین علی بن عبد اللہ النشاوی الزبیدی (متوفی ۷۹۷ھ) دمشق میں حافظ ابو بکر بن المحب، ابو العباس بن العز اور ناصر الدین محمد بن داؤد جیسے یگانۂ روزگار فضلاء سے سماعت کی اس کے علاوہ انھیں شیخ شہاب الدین اذرعی (متوفی ۷۸۳ھ) علی بن یوسف الزرندی، شیخ جمال الدین الاسنوی (متوفی ۷۷۲ھ) اور شیخ بہاء الدین ابو البقاء السبکی (متوفی ۷۷۷ھ) وغیرہم سے اجازت بھی حاصل تھی۔

مقریزی کی ابتدائی زندگی مذہب حنفی کے اصولوں پر گزری ابتدائی تعلیم اسی کے مطابق ہوئی تھی۔ اس مسلک کی متعدد کتابیں زبانی یاد کی تھیں مگر بعد میں نہ جانے کن وجوہ کی بنا پر اس مسلک سے منحرف ہو کر شافعی ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ تقریباً بیس سال کی عمر میں پیش آیا تھا اس کے بعد اس مسلک پر تادم حیات برقرار رہے مقریزی نے ایسا کیوں کیا اس کا پتہ نہ چل سکا کتب تواریخ اس سلسلہ میں خاموش ہیں، ابن تغری بردی چونکہ مقریزی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے وہ بھی اس تبدیلی مسلک کے اسباب سے باخبر نہ ہو سکے۔ لکھتے ہیں:۔

ثم تحول شافعیاً بعد مدۃ طویلۃ بسبب من اسباب ذکرہ لی[۱]

علامہ مقریزی نے تحصیل علم کے بعد ہی اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا قاہرہ دمشق کے اُن اہم مدارس میں حدیث کے استاد رہے جن کی حیثیت اس زمانے میں اہم تھی، "مدرسہ مؤیدیہ"، "مدرسہ اشرفیہ" اور "مدرسہ اقبالیہ" میں عرصہ دراز تک طلبہ کی علمی تشنگی دُور کرتے رہے۔ اس کے علوم کے متلاشیوں کے لئے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے کسب فیض کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جس کا شمار مشکل ہے جس کے اساتذہ کی تعداد چھ سو ہو بھلا اس کے علم و فضل کے مقام کا تعین کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ان کے نابغۂ روزگار شاگردوں کا احاطہ بھی ممکن نہیں ان کی عظمت کے لئے یہی لکھنا کافی ہے النجوم الزاہرۃ کے مصنف ابو المحاسن ابن تغری بردی مقریزی کے شاگرد تھے۔

علامہ ابن تغری بردی نے مقریزی کو قریب سے دیکھا ہے، ان کی تمام خوبیوں کے بڑے مداح تھے۔ دیگر علوم و فنون کے بارے میں شاگرد نے استاد کے حق میں کچھ لکھا ہو یا نہ مگر تاریخ سے متعلق اپنے استاد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فی الجملہ ھو اعظم من رائناہ فی علم التاریخ وضروبہ مع معرفتی

(حاشیہ (۲) اگلے صفحہ پر)

لمن عاصرہ من العلماء المورخین والفرق بینھم ظاھر ولیس فی التعصب

فائدۃ (۳)

(معاصرین علماء میں میں نے بیشتر معاصرین کو دیکھا مگر مقریزی کا کچھ اور ہی مقام ہے ان میں مقریزی کا مقام نمایاں ہے، اس میں کچھ بھی تعصب نہیں ہے)۔

یہ طے ہے کہ علامہ مقریزی علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے خاص طور سے علم تاریخ میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ اس دور کے علماء کے درمیان باہمی رقابت بھی چلتی تھی اور الاستاذ لطفی زیادہ، کے کہنے کے مطابق پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) میں مصر کے علماء میں جو ایک بات قدرے مشترک تھی وہ یہ تھی کہ تمام علماء آپس میں بغض وعناد اور شدید اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"الظاھرۃ الثانیۃ مشترکۃ بین اولئک المورخین والکتاب فی القرن الخامس عشر المیلادی وھی ممارستھم جمیعا نظم المتنورین فی ذلک العصر ..... واولئک المورخون الی سابقیھم انھم کانوا شدید الخصومۃ والتحاسد والمداحنۃ" (۴)

اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس دور میں جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ معرکۃ آلآرا ہیں، ہر صاحب ذوق ان کا مطالعہ کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے، اس لحاظ سے اس دور کے علماء بہت اچھے اور قابل صد احترام رہے مگر جب اخلاق وعادات کا تجزیہ کیا جاتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۲) ابن تغری بردی، المنھل الصافی المستوفی بعد الوافی تحقیق احمد یوسف نجاتی قاہرہ (۱۳۷۵ھ)

(۳) ابن تغری بردی النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ قاہرہ ۱۹۳۹-۱۹۵۶ء

(۴) زیادہ : المورخون فی مصر ص ۸۴ قاہرہ ۱۹۵۴ء

ہے ٹھیک ویسا ہی پایا جاتا ہے، جیسا کہ محمد مصطفیٰ زیادہ نے لکھا ہے:

"وبسببها فی الغالب ما تولد بینهم من منافسة وتعصب لمنافئهم سواء کانوا مورخین ام محدثین او موظفین فی الدولة المملوکیة" (۵)

(اس دور کے مؤرخوں یا محدثین مؤلفین ہوں یا کوئی صاحب منصب ہر ایک میں فخر و مباہات کی بو پائی جاتی ہے)۔

مذکورہ عبارت کی روشنی میں کیا بعید ہے کہ مقریزی میں بھی یہ باتیں رہی ہوں اور جا بجا کتب تواریخ سے اس رائے کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

عہدے اور مناصب:

علامہ مقریزی اگرچہ علوم و فنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے مگر سلاطین وقت سے بھی ان کی قربت رہی اور صرف مقریزی ہی کیا اس دور کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء کسی نہ کسی بادشاہ یا حاکم کے دربار سے ضرور البستہ رہا کرتے تھے جس کے سبب حکومت میں انھیں معزز عہدے اور منصب مل جایا کرتے تھے

مقریزی کا تعلق مملوک سلاطین سے تھا۔ ان کے دربار میں ان کی بڑی عزت تھی تاہم ویں متعدد عہدے انھیں دئے گئے جب ان کی عمر بیس سال کی تھی، اس وقت یہ دیوان الانشاء کے نگراں مقرر ہوگئے اور کتابتہ التوقیع جو اس زمانے میں وزارت خارجہ کا منصب کہلاتا تھا۔ اس کے بھی یہ ذمہ دار رہے۔ یہ عہدہ اسی نابغۂ روزگار کو دیا جاتا تھا جو علم و ادب، تاریخ و سیاست دیگر علوم و فنون میں اہل زمانہ پر تفوق رکھتا ہو ان کی ہی ایسی ذات تھی جو اس عہدہ کے اہل سمجھی گئی۔ اس کے علاوہ قاضی القضاۃ جامع عمرو میں خطابت

---

(۵) زیادہ: المورخون فی مصر ۸۵ قاہرہ ۱۹۵۴ء

جامع حاکم میں امامت اور مدارس میں تدریس احادیث کے اہم فرائض بھی انجام دیے
۷۹۱ھ میں جب مقریزی سلطان ظاہر برقوق (متوفی ۸۰۱ھ) سے وابستہ ہوئے تو انھوں
نے برقوق کو اپنے علم و فضل سے اس طرح متاثر کیا کہ شمس الدین محمد نجاشی (متوفی ۸۰۶ھ)
جو اس وقت کسی بڑے عہدے پر فائز تھے انھیں معطل کر کے مقریزی کو مقرر کر دیا گیا ٹھیک
یہی واقعہ علامہ بدرالدین عینی کے ساتھ پیش آیا مورخین لکھتے ہیں کہ اس اہم رتبے پر مقریزی کا
۷۹۱ھ — ۸۱۰ھ کے مابین متعدد بار فائز ہوئے یہ عجیب بات تھی کہ کبھی مقریزی کو وہ
منصب ملتا اور کبھی اس پر عینی کا تقرر ہو جاتا۔

مقریزی اور عینی کے درمیان نفرت اور عناد کا ایک خاص سبب جاہ و منصب کا
حصول بھی تھا بار بار کے اعتزال اور تقرر کے ایک دوسرے کے درمیان سخت نفرت
پیدا ہو گئی تھی علامہ مقریزی اپنے زندگی کے آخری ایام میں جب وہ محکمۂ احتساب کے نگراں
تھے، اس وقت اُن کا ایک خاص ہی وظیفہ باقی رہ گیا تھا اور سارے آمدنی کے ذرائع
مسدود ہو گئے تھے، ایسے عالم میں انھیں معزول کر کے علامہ عینی کو مقرر کر دیا گیا جس کے
سبب مقریزی کے دل کو ٹھیس لگی اور دائمی عناد کی آگ بھڑک کر تیز سے تیز تر ہو تی
گئی شاید یہی وہ سبب ہے کہ جس کی وجہ سے مقریزی کو جب علامہ عینی کی وفات کی خبر ملی تو
انھوں نے "غفر اللہ لہ" بھی کہنا پسند نہ کیا اور کھلے طور پر عینی اور اُن کی تصانیف کی تنقید
کرنے لگے، عینی کی حدیث و تاریخ میں جو خامیاں تھیں مقریزی نے اس کے اظہار میں بڑی فراخدلی
سے کام لیا اور نفرت کی وجہ سے اپنی تواریخ میں ان کی تصانیف کو جگہ نہیں دی۔ علامہ عینی
نے بھی کچھ کم انھیں سخت و سست نہیں کہا۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اُن کا تذکرہ مختصراً
مگر ہتک آمیز جملوں سے کیا ہے لکھتے ہیں:

"بانہ کان رجلاً مشتملاً بکتابۃ التواریخ و یفرط لہ مل تولی الحسبۃ
بالقاہرۃ...... ثم عزل بمسطو"(۱)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جولائی ۱۹۸۷ء

(وہ مقریزی) ایسے انسان ہیں جن کا شمار عزب رمل جاننے والوں اور تاریخ نویسیوں میں ہوتا ہے وہ قاہرہ میں محکمہ احتساب کے نگراں تھے پھر اول قول بکنے کی وجہ سے معزول کر دئے گئے)۔

بہر حال قاہرہ میں مقریزی اہم منصب پر فائز تو تھے ہی مگر جب وہ ۸۱۶ھ میں دمشق گئے تو وہاں سلطان ناصر بن فرج برقوق نے انکی بڑی قدر و منزلت کی اور حکومت کا اہم منصب انھیں عطا کیا۔ مقریزی سالوں اسی منصب پر فائز رہ کر بڑی حسن و خوبصورتی کے ساتھ حکومت کے امور کی دیکھ بھال کرتے رہے اور انھیں اوقات میں متعدد مدارس میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ مقریزی نے اسی طرح اپنی زندگی کے گرانمایہ لمحات کچھ تو حکومت میں دخیل ہو کر اور کچھ تصنیف و تالیف میں منہمک ہو کر بسر کئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوئے جو بالآخر مرض الموت ثابت ہوا۔ الغرض ایک طویل علالت کے بعد جمعرات کے دن ۱۶ ر رمضان ۸۴۵ھ کو علم و فضل کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

حافظ سخاوی اپنے استاد ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مقریزی نے کل ۸۰ سال کی عمر پا کر وفات پائی اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے "صوفیہ بیبرمیہ" کے احاطہ میں دفن کئے گئے۔

تصنیف و تالیف:

علامہ مقریزی کی تصانیف کا صحیح پتہ نہیں چلتا البتہ جتنی کتابیں شمار میں آئی ہیں

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۔(۶) المورخون فی مصر ص ۸۵ و الضوء اللامع (۲: ۲۴) نقلاً عن علینی

cession Number 121733
Date 27.10.88

اُن کی تعداد چالیس بتائی جاتی ہے جن میں بعض کتابیں متعدد ضخیم جلدوں میں ہیں وہ کتابیں جن کا سُراغ لگ چکا ہے متعدد علوم کے مباحث پر مشتمل ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا کوئی خاص میدان نہیں بلکہ وہ ہر میدان کے شہسوار تھے اور ہر فن میں یدِطولیٰ رکھتے تھے مگر اکثر کتابیں فن تاریخ میں ہیں اس لئے تاریخ نویسی ہی اُن کا خاص میدان قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے مختلف انواع پر ان کی کتابیں ملتی ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ ان کی صلاحیتوں کی غماز ہیں۔

مقریزی نے اپنے اساتذہ کا گہرا اثر قبول کیا ہے اس لئے ان کی تصانیف میں وہ رنگ نمایاں ہے تاریخ وتنقید میں علامہ ابن خلدون سے متاثر تھے حدیث وفقہ میں علامہ آمدی اور ابن الصائغ کی درسگاہ کے خوشہ چیں تھے، ان بزرگوں کی صحبت بابرکت کا نتیجہ تھا کہ آسمانِ علم وفضل پر نیّرِ تاباں بن کر ابھرے جس کا اعتراف اس زمانے کے جلیل القدر علماء نے بھی کیا۔ مخالفین وموافقین مدح وستائش کے باب میں یکساں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

ابن تغری بردی نے المنھل الصافی میں اپنی شاگردی کا حق ان الفاظ میں ادا کیا ہے
"الشیخ العالم البارع عمدۃ المورخین وعین المحدثین وکان ضابطاً مورخاً مفنناً محدثاً فی الاصول ..... کان اماماً مفتیاً کتب الکثیر بخطہ وانتقی اشیاء وحصل الفوائد واشتھر ذکرہ فی حیاتہ وبعد موتہ فی التاریخ وغیرہ حتی مد یضرب بہ المثل" (۷)

امام جلال الدین سیوطی نے
"انہ اشتغل فی الفنون وخالط الاکابر ... ونظم ونثر والف

---

(۷) المنھل المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ (۱: ۳۶۱) قاہرہ ۱۳۲۱ھ

"کتباً کثیرۃ" (۸)

سے مقریزی کی مدح خوانی کی ہے۔

مقریزی کے علوم و معارف کا دائرہ بہت وسیع تھا شاید ہی کوئی ایسا فن ہو جس کی تہہ تک مقریزی کی رسائی نہ ہو۔ مقریزی کی حیثیت مورخین میں ستون کی ہے۔ آج انھیں ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ ذیل کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مصنفات کی فہرست سے مقریزی کی علمی جلالت قدر اور ان کی گوناگوں صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مخطوطات:

(۱) کتاب المقفیٰ الکبیر

(۲) عقد جواہر الاسفاط فی مدینۃ فسطاط

(۳) درر العقود الفریدۃ فی تراجم الأعیان المفیدۃ

(۴) جنی الازھار من الروض المعطار

(۵) الخبر عن البشر

(۶) الاشارۃ والاعلام ببناء الکعبۃ بیت اللہ الحرام

(۷) الدرر المضیۃ فی تاریخ الدولۃ الاسلامیۃ

(۸) ذکر ما ورد فی بنی امیۃ وبنی العباس من الاقوال

(۹) منتخب التذکرۃ

(۱۰) تراجم ملوک الغرب

(۱۱) مقالۃ لطیفۃ وتحفۃ سنیۃ شریفۃ

---

(۸) حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ (۱: ۳۲۱) قاہرہ ۱۳۲۱ھ

(۱۲) المعرفة بما یجب لآل البیت الشریف من الحق علی من عداهم
(۱۳) الاشارة والایماء الی حل لغز الماء
(۱۴) ازالة التعب والعناء فی معرفة حال الغناء
(۱۵) البیان المفید فی الفرق بین التوحید والتلحید
(۱۶) صلوٰة اللیل مثنی مثنی ومختصر قیام اللیل
(۱۷) المقاصد السنیة فی معرفة اجسام المعدنیة
(۱۸) حصول الانعام والمیر فی سوال خاتمة الخیر
(۱۹) کتاب شارع النجاة
(۲۰) کتاب مجمع الفرائد ومنبع الفوائد
(۲۱) الاخبار عن الاعذار
(۲۲) قرض سیرة المؤید لابن ناهض
(۲۳) ضوء الساری فی معرفة اخبار تمیم الداری

مطبوعات:

(۱) الموعظة والاعتبار بذکر الخطط والآثار قاہرہ ۱۲۷۰ھ
(۲) اغاثة الامة بکشف الغمة قاہرہ ۱۲۵۷ھ
(۳) الالمام باخبار من بارض الحبشة من ملوک الاسلام مصر ۱۸۹۵ء
(۴) الذهب المسبوک فی ذکر من حج من الملوک قاہرہ ۱۹۵۵ء
(۵) السلوک لمعرفة دول الملوک قاہرہ ۱۹۵۶ء
(۶) تجرید التوحید المفید مصر ۱۳۴۳ھ
(۷) کتاب اتعاظ الحنفاء باخبار الائمة الخلفاء قاہرہ ۱۹۴۷ء

(۸) النقود القدیمۃ الاسلامیۃ (شذور العقود فی ذکر النقود)
مصر ۱۲۹۸ھ
(۹) الطرفۃ الغریبۃ فی اخبار حضرموت العجیبۃ ۱۸۶۶ء
(۱۰) النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ وبنی ہاشم لندن ۱۸۸۸ء
(۱۱) المکائیل الموازین الشرعیہ روستوکی ۱۸۰۰ء
(۱۲) نحل عبر النحل مطبوعہ ۱۹۴۶ء
(۱۳) البیان والاعراب فیمن نزل ارض مصر من الاعراب ۱۸۴۷ء
(۱۴) امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء والاموال والحفدۃ والمتاع قاہرہ ۱۹۴۱ء
(۱۵) تاریخ الاقباط او اخبار قبط مصر غوتجن ۱۸۴۵ء
(۱۶) ذکر دخول قبط مصر فی دین النصرانیہ یوروپ ۱۲۲۸ھ
(۱۷) حروب الروم والفرنج مطبوعۃ دار الکتب المصریہ (۔۔۔)
(۱۸) تاریخ الحبش

کتاب المقفیٰ الکبیر:

یہ کتاب مقریزی کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب فن تاریخ میں مصری علماء، فضلاء، حکماء، امراء، شعراء، ادباء، تجار اور اُن تمام اصحاب کے تراجم پر مشتمل ہے جن کا کسی بھی حیثیت سے مصر سے ربط اور تعلق رہا بلکہ مصنف نے بعض ایسے اصحاب کا بھی ذکر کیا ہے جن کا صرف مصر سے گذر ہوا ہے۔ اس معنی کر یہ کتاب مصر کی تاریخ میں مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

جمال الدین شیال نے مقریزی کی کتاب الذہب المسبوک کے مقدمہ میں لکھا ہے:۔

"یلاحظ ان المقریزی یحیل القاری ھنا کثیراً الی معجم ترجمۃ الکبیر (المقفی) وذلک لانہ ترجم فی (المقفی) لکل اعلام الذین برزوا فی تاریخ مصر ممن عاشوا فیھا اوزارھا وکثیر من الخلفاء والملوک والذین ترجم لہ ھنا ترجمان مختصرۃ بھم ترجمات مفصلۃ فی المقفی لھذا کان یحیل القاری عادۃ علی کتابۃ الاخر الکبیر ان کان المزید من المعرفۃ"

زیر بحث کتاب مصنف کی ان اسی جلدوں میں سے ایک ہے جن کا مصنف نے ذہنی خاکہ تیار کیا تھا مگر ہزار افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی ۱۶ جلدیں سپرد قلم کرکے راہی ملک عدم ہوگئے اس کتاب کی اکثر جلدیں یا تو فنا ہوگئیں یا کسی گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں۔ استاذ محترم پروفیسر مختار الدین احمد کو تین جلدیں جامعہ لندن ھالینڈ کے کتب خانہ میں ملیں جو بخط مصنف بلکہ مسودہ ہے پھر جب پروفیسر موصوف ۱۹۵۴ء میں پیرس گئے تو ایک جلد اسی سلسلہ کی انھوں نے کتب خانہ پیرس میں تلاش کی یہ بھی مقریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ ہے ان سولہ جلدوں میں بارہ جلدیں اب بھی ناپید ہیں۔

مقریزی نے اپنے ذہنی خاکوں میں اگر کہیں رنگ بھر دیا ہوتا، اور خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا دیتے تو شاید مصر کی تاریخ رجال کے اعتبار سے کم از کم مکمل ہو جاتی اور اس جیسی کوئی دوسری کتاب اس کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر پھر بھی جتنا کچھ بھی لکھا ہے وہ اپنے انداز بیان محک و معیار کے اعتبار سے بے نظیر ہے مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تبرکاً و تیمناً "المحمدون" اور "الاحمدون" سے کی ہے یعنی جن کے نام محمد یا احمد ہیں ان کے ناموں سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے اس سلسلہ میں زمانہ اور دور کی ان کے یہاں کوئی قید نہیں تھی۔ اس کے علاوہ زمانے کے تقدم و تاخر کا بھی انھوں نے کوئی لحاظ نہیں رکھا ہے البتہ ناموں کی ترتیب میں حروف تہجی کا اعتبار ہے مگر کہیں کہیں اس کے خلاف بھی

جولائی ۱۹۸۷ء

نظر آتا ہے اس کتاب کا صحیفہ تیار ہوتا تو یہ خامی دور ہو جاتی۔

"المقفی" کی تمام تر خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مؤرخین کے اقوال کے مطابق پوری دنیا میں اس کا صرف واحد نسخہ ہے اور بخط مصنف ہے حُسنِ اتفاق کہ پروفیسر مختار الدین احمد کی علم دوستی اور پیہم کوششوں کے نتیجے میں ان چاروں جلدوں کا فوٹو گراف مولانا آزاد لائبریری کے لئے حاصل کر لیا گیا ہے۔ جو اب یونیورسٹی کلکشن میں محفوظ ہے زیر بحث کتاب المقفی الکبیر جو آزاد لائبریری کے خزانۂ کتب میں ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

جلد اوّل کل صفحات ۲۸۷ رقم ۲۱۶ جلد دوم کل صفحات ۲۳۱ رقم ۳۱۷ جلد سوم کل صفحات ۲۵۳ رقم ۳۱۸ ہے صفحات اکثر ۲۷ سطری ہیں بیل طیبا لندن ہالینڈ میں جو اس کا اصل نسخہ موجود ہے اس کا رقم ــــــ ۱۳۶۶ ۵۷ ہے اور چوتھی جلد جو پیرس کی لائبریری میں محفوظ ہے اس کا رقم ۱۴۴ ہے اس کا فوٹو گراف پروفیسر مختار الدین احمد کے ذاتی کتب خانہ میں ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد پر ایک ایرانی اسکالر پروفیسر سید محمود اسد اللہی استاذ قسم دراسات مشہد یونیورسٹی ایران نے پروفیسر موصوف کی نگرانی میں کام کیا ہے جس پر انہیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ اس جلد میں کل ۲۸۵ اصحاب کے ترجمے ہیں جن کی ابتدا محمد بن اعلیٰ سے ہوتی ہے اور محمد بن اسحٰق بن ابراہیم السلمی المناوی کے تذکرہ پر یہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد پر راقم الحروف نے تحقیق کی ہے۔ جلد دوم کا آغاز قاضی القضاۃ محمد بن عبدہ بن حرب العبادانی ابو عبید اللہ البصری متوفی ۳۱۲ھ سے ہوتا ہے اور اختتام تیسری صدی ہجری میں عباسی خلفاء کے درباری شاعر محمد بن القاسم ابو الحسین حانی الموسوی کے ذکر پر ہوتا ہے اس طرح کل ملا کر اس کتاب میں ۶۹۸ اصحاب کے تراجم ہیں

تیسری جلد کا ابتدائی حصہ مشہور عالم ابن تیمیہ سے شروع ہوتا ہے اور ۵۸ افراد پر مشتمل اس جلد کا اختتام ہوتا ہے۔

اس کتاب کی کیا اہمیت ہے اسی مختصر سی گفتگو سے عیاں ہو گیا ہو گا مزید ثبوت کے طور پر کچھ جلیل القدر علماء و مورخین کی آرائیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

"التاریخ الکبیر المقفی وھو فی ستة عشر مجلداً وکان یقول انه انه لو کمل علی ما یرومه تجاوز الثمانین"۔

"الکبیر سولہ جلدوں میں اگر اس کی تکمیل حسب منشا ہو جاتی تو اسی جلدوں سے زائد ہو جاتیں"۔

جرجی زیدان نے لکھا ہے:

"وقدر انه (المقفی الکبیر) یستغرق ثمانین مجلداً الا لم یظهر منه الا ۱۶ مجلداً منها ثلاث مجلدات فی لندن ومجلد فی باریس کلها بخط المولف"۔ استاذ محمد مصطفیٰ زیادہ رقمطراز ہیں:

"فهو الکتاب المقفی الکبیر وکان المقصود به ان یکون مجمعاً لتراجم حکام مصر ورجالها من المسلمین والنصاریٰ منذ اقدم العصور الی ما قبل عصره وقدر له ان یکون فی ثمانین مجلداً ولو یستطیع ان ینجز منها سوی ۱۶ فقط"۔

اس کتاب کی اہمیت اور اس کی جلالت شان کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب مشہور مورخ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب "بغیۃ الوعاۃ" ترتیب دے رہے تھے تو اُن کے پیش نظر مصنف کی یہ کتاب تھی اس لئے کہ سیوطی اس کتاب میں جا بجا اس کے حوالے دیتے ہیں اور وہ "اوردہ المقریزی فی المقفی" کے الفاظ میں ملتے ہیں جیسے

سیوطی کا اس کتاب سے استفادہ متحقق ہو جاتا ہے۔

اسلوب نگارش :

مقریزی نے کتاب المقفیٰ الکبیر کی ترتیب میں کیا انداز اختیار کیا ہے' اس کی وضاحت ضروری ہے :-

(۱) وہ اصحاب تراجم کے سنین ولادت و وفات درج کرنے کا التزام کرتے ہیں جن اصحاب کو تراجم کے سنین ولادت و وفات معلوم نہ ہو سکے تو انھوں نے مسودہ میں توفی . . . مات لکھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

(۲) کتاب کے انداز اور مقریزی کے رسم الخط کے بارے میں لکھنا ضروری ہے کہ جن الفاظ کا رسم الخط اُس زمانے میں الف کے ساتھ ہے مصنف اسے بغیر الف کے ساتھ لکھا کرتے تھے مثلاً انھوں نے اسحاق کو اسحٰق حارث کو حرث سلیمان کو سلیمٰن ابراہیم کو ابرہیم عثمان کو عثمٰن مالک کو ملک لکھا ہے۔

(۳) وہ الفاظ جن کے آخر میں ہمزہ لکھنے کا رواج ہے مصنف اس کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھا کرتے تھے جیسے کہ جاء حیاء ضیاء شفاء کے بجائے وہ جا، حیا ضیا شفا لکھتے ہیں۔

اوھام :

مقریزی نے اپنی کتاب میں اُن حضرات کے اسماء جو استاد، شیخ، یا شاگرد کی حیثیت سے تراجم کے درمیان آئے ہیں مصنف نے کہیں کہیں تو ان کا نام القاب کتب

---

(۹) الضوء اللامع (۲ : ۲۲)

(۱۰) آداب اللغة العربیه (۳ : ۱۹۲)

(۱۱) المورخون فی مصر ص ۱۳

اور نام کے ساتھ لکھنے کہ ان کے مسلک پیشے، اور مقامات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ یعنی مسلک کے امتیاز کے لئے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبل اور مقامات کے امتیاز کے لئے بصری، مصری، بغدادی، اندلسی، تنولسی اور قرطبی بڑھا دیا ہے اور پیشے کی وضاحت میں البزاز، العسال، الخشاب، الحذاء، الخیاط بھی لکھا ہے۔ مگر بعض اصحاب کے ترجمے میں صرف نام اور بعض کے تذکرے میں صرف کنیت پر اکتفا کیا ہے جیسے ابن الجمیزی جب کہ اس نام کے کئی افراد پائے جاتے ہیں۔ اور بغداد میں بھی اس نام کے کئی لوگ پائے جاتے ہیں جن میں دو کا زمانہ تقریباً ایک ہے اسی طرح ابن النحاس جو کئی مشہور افراد کی کنیت ہے۔

اس کے علاوہ بعض مقامات پر مصنف سے استاذ اور شاگرد کا نام لکھنے میں تسامح ہو گیا ہے جیسے محمد بن علی ابوبکر الأدفوی جس کا ترجمہ المقفی کی دوسری جلد میں رقم ۲۳۱ کے تحت ہے، ان کے شاگردوں کی فہرست میں ایک نام ابوالحسن بن النعمان کا آتا ہے۔ جو ایک زبردست تسامح ہے۔ اُن کا اصل نام محمد بن الحسین بن محمد بن ابراہیم بن النعمان ابو عبداللہ القرشی الفہری ہے اور اسی طرح دوسرا نام حسن سھل جنہیں مصنف مشہور قاری ابوعمرو الدانی کا شیخ بھی بتایا جاتا ہے جو کسی طرح مناسب نہیں۔ ابوعمرو الدانی کے شیخ حسن بن سلیمان بن الخیر ابوعلی الانطاکی ہیں جنہیں مقریزی نے یہاں حسین بن سھل لکھ کر انھیں ابوبکر الادفوی کا شاگرد قرار دیا ہے۔

اسی طرح بعض اصحاب تراجم کے سنین ولادت ووفات میں ان سے تسامح ہو گیا اسی کتاب کے ترجمہ رقم ۵۳۰ میں صاحب ترجمہ کے سال وفات کو سہواً سال ولادت قرار دے دیا گیا ہے۔

مجہولات :۔

مقریزی نے کتاب میں چند ایسے افراد کے ترجمے بھی درج کئے ہیں جن کے بارے

ہیں انھیں معلومات بہم نہیں پہنچیے یادداشت کے طور پر ان کا نام لکھ دیا تھا کہ بعد کو
ان میں اضافہ کردیں گے لیکن اس کا موقع انھیں نہیں مل سکا تھا۔ ایسے افراد کی تعداد
بھی کچھ کم نہیں ہے جن کے نام علاوہ صرف سن وفات یا سن ولادت پر اکتفا کیا ہے۔

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن بن شریح ابوبکر السامری کان یسکن بالبحیرۃ حدث و توفی
سنۃ خمس وثلث مائۃ ذکرہ ابن یونس ۲۵ رقم ۵۳

(۲) محمد بن عبدالعزیز بن ابوزبیر بن ضبابی الجزال الجزوی روی عنہ الحسین بن عبداللہ
احمد القرشی رقم ج ۲ ۱۲۷

(۳) محمد بن ج ۲ ۱۴۲

(۴) محمد بن عبدالغفار بن ابی مات بالقاہرہ سنۃ خمس
عشرہ عثمانۃ ج ۲ رقم ۱۴۶

(۵) محمد بن عبداللہ کردی الامیر بدرالدین الحاجب مات یوم الجمعۃ
ثالث عشرہ جمادی الآخرۃ سنۃ ثلث وتسعین وخمسمائۃ ج ۲ رقم ۲۰۹

(۶) محمد بن عطیۃ ج ۲ رقم ۳۲۰

(۷) محمد بن علی بن احمد بن الباقر ج ۲ رقم ۳۴۴

(۸) محمد بن علی بن ج ۲ رقم ۳۵۵

(۹) محمد بن علی بن ج ۲ رقم ۳۹۸

(۱۰) محمد بن علی بن ج ۲ رقم ۴۱۲

(۱۱) محمد بن علی بن ابی الفرج ابوعبداللہ الخطیب ج ۲ رقم ۴۲۲

(۱۲) محمد بن علی بن محمد الحنبلی محی الدین ج ۲ رقم ۴۶۲

(۱۳) محمد بن عمر بن محمد ج ۲ رقم ۵۴۶

(۱۴) محمد بن علی ابوالحسن السعدی ج ۲ رقم ۶۱۹

(۱۵) محمد بن عیسیٰ ابوطاہر العباس توفی بمصر ۲۵ رقم ۶۲۲
(۱۶) محمد بن غالب ۲۵ رقم ۶۲۷
(۱۷) محمد بن قاسم بن عاصم المعری ج ۲ رقم ۶۷۵

ان تراجم کے علاوہ بہت سے ترجمے ایسے اور ہیں جن میں نام سکونت تاریخ وفات اور بعض میں نام اور سکونت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ صرف نام ہی نام پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مکررات:

چونکہ پیش نظر جلد مصنف کا مسودہ ہے انھیں تبیض کا موقع نہیں مل سکا اور ان کا وصال ہوگیا اس لئے بعض ترجمے انھوں نے مکرر لکھ دیئے ہیں اگر مصنف کی عمر نے وفا کی ہوتی تو شاید اس قسم کی خامیوں سے کتاب منزہ ہوتی۔ یہاں صرف چند مثالیں کافی ہوں گی۔

(۱) محمد بن عبد الرحمان بن عبد العظیم عز الدین الزفتاوی الفقیہ الحنفی ۲/ رقم ۳۸
(۲) محمد بن عبد الرحمٰن بن عبد العظیم عز الدین الزفتاوی الفقیہ الحنفی ۲ رقم ۴۱
(۳) محمد بن علی بن اسماعیل بن الفضل ابو عبد اللہ الایلی۔ ۲ رقم ۳۴۰
(۴) محمد بن علی بن اسماعیل بن الفضل ابو عبد اللہ الایلی ۲ رقم ۳۴۱
(۵) محمد بن علی بن جعفر بن علی ابو علی السعدی المعروف بابن القطاع ۲ رقم ۳۴۲
(۶) محمد بن علی بن جعفر بن علی ابو علی السعدی المعروف

بابن القطاع ۲ رقم ۲۴۴

(۷) محمد بن علی بن حسین نجم الدین الاسفری

۲ رقم ۲۴۶

(۸) محمد بن علی بن حسین نجم الدین الاسفری

۲ رقم ۲۴۷

کتاب المقفیٰ کے ماخذ

مقریزی نے اپنی کتاب کی تالیف و ترتیب میں جن کتابوں کو مصدر کی حیثیت دی ہے، اُن میں بیشتر کتابیں ایسی ہیں جن کا پتہ نہیں چلتا اور بہت ایسی ہیں جن کا پتہ تو چلتا ہے مگر زیور طبع سے آراستہ نہیں ہیں اور بعض زیور طبع سے آراستہ بھی ہیں مگر اُن تک ہماری رسائی نہیں جن تک میری رسائی ہے یا جنہیں مطالعہ کا شرف حاصل ہے ان کی تعداد مختصر ہے۔

مقریزی نے کتاب میں بہت سے ایسے افراد کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان کی براہِ راست ملاقات رہی ہے، ایسے لوگوں کا تذکرہ کسی اور کتاب میں مشکل سے ملتا ہے۔ جن کی کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے ان میں بعض مطبوعہ اور بعض غیر مطبوعہ ہیں ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست دی جا رہی ہے۔

ابوالولید فرضی، ابونعیم، ابوالقاسم بن عساکر ابن الجوزی، ابوسعید السمعانی ابوبکر الخطیب الحمیدی المرزبانی صلاح الصفدی الشریف الحسینی ابن ابی حاتم ابن الاثیر ابوبکر الصولی۔

ابوذر الهروی، ابواسحاق الحبال، ابوطاہر السلفی، ابوالقاسم بن الطحان، ابوسعد الماليني، ابومحمد اعتذری، الحاکم النیشاپوری، ابن یونس، ابوالحسن الدارقطنی، ابواحمد بن عدی، ابن النجار، ابن زولاق، الحافظ عبدالکریم، مسلمہ بن قاسم، ابن المستوفی، المسبحی، ابوحیان، الخلال، ابوداؤد، ابن نقطہ، الحافظ الامیاطی، ابن میسرہ، علی بن محمد السخاوی۔

(صفحہ ۴۷ سے آگے)

اور اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۱۰ میں آصف خاں مرزا قوام الدین جعفر بیگ، بدیع الزماں کا لڑکا تھا، کی بجائے آصف خاں مرزا قوام الدین جعفر بیگ، بدیع الزماں کا لڑکا تھا، تحریر ہونا چاہیئے تھا۔ ص ۲۲ پر دیگر ماتحت افسران کے تحت ایک فقرہ یوں رقم فرمایا ہے۔ راجہ بھارمل کے لڑکے اور ایک پانچ ہزار منصب کے اعلیٰ امیر جگنا تھ نہ ہو کر کوئی اور تھا۔ جبکہ فی الواقع یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے "راجہ بھارمل کے لڑکے اور ایک پانچ ہزار منصب کے اعلیٰ امیر جگنا تھ کو اپنی فوج میں شامل کرنے کا حکم دیا گیا" یعنی راجہ بھارمل کا لڑکا جگنا تھ نہ ہو کر کوئی اور تھا جبکہ فی الواقع یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے" راجہ بھارمل کے لڑکے جگنا تھ اور پانچ ہزار منصب کے ایک اور اعلیٰ امیر کو اپنی فوج میں شامل کرنے کا حکم دیا" اسی صفحہ پر "اشاعت شعاری" کی بجائے "اطاعت شعاری" اور "۔۔۔ اپنی ضمیر کا سودا" کی بجائے "اپنے ضمیر کا سودا" لکھنا چاہیئے۔

ص ۲۲۸ کے حاشیہ نمبر ۱۵ میں "رانا کے چچا بہادر کھیا تا کو حاصل ہوا جو ایک بڑے قبیلہ کا جدِ اعلیٰ ہے جو اسی کے نام پر کھوات کہلاتا ہے" کی بجائے "رانا کے چچا بہادر کانا کو حاصل ہوا جو ایک بڑے قبیلہ کا جدِ اعلیٰ ہے جو اسی کے نام پر کاناوت کہلاتا ہے" ہونا چاہیے۔ راجپوت قبیلے شیخاوت، چونڈاوت، کاناوت وغیرہ ہوتے ہیں نہ کہ "کھوات" وغیرہ۔

ص ۲۳۱ اور ص ۲۳۲ کے حاشیہ ۲۵ و ۲۶ میں راجپوت سرداروں کے ناموں میں جابجا املاء تقریباً ہر جگہ "بیر نبود" لکھا ہے۔ اسی طرح "قلیج خاں" کا املاء کہیں قلیچ اور کہیں "قلیج" تحریر کیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ کوئی ایک املاء اختیار کر لیا جاتا۔ بہرحال صحیح املاء "قلیچ" ہے جس کے معنے "سیف" تلوار یا شمشیر کے ہیں۔ ص ۲۳۸ پر حاشیہ ۴۵ کا اندراج غلط ہو گیا ہے جو اصل میں ح ۴۶ کی عبارت ہے۔ حاشیہ نمبر ۴۵ یوں